جناب محمد حفیظ اللہ پھلواروی

سلاطین سلجوقیہ کے عہد میں علمی ترقی

پانچویں صدی ہجری کے آخر میں جب خلافتِ بنی عباس کی کمزوری سے متعدد خاندانوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کرلی تھیں اور سلطنتِ غزنویہ کے زوال کا آغاز ہوچکا تھا تو "خاندانِ سلجوقیہ" زور پکڑ رہا تھا۔

سلجوقی خانہ بدوش لوگ تھے جو تہذیب و تمدن سے ناواقف تھے اور مذہب کا بھی کوئی صحیح تصور ان کے سامنے نہ تھا۔ لیکن جب یہ مسلمان ہوئے تو تازہ مذہبی جوش کے زیرِ اثر انھوں نے اسلامی حکومت کے تمام افتراق و انتشار کو دور کرنے کا عزم کیا اور فارس، عراق، شام اور ارضِ روم کی تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کرکے دورِ طوائف الملوکی کو مٹایا اور افغانستان کے مغربی حدود سے لے کر بحرِ روم تک ایک وسیع سلطنت قائم کردی، جس کا فرماں روا ایک ہی تھا۔ انھوں نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کردی اور مجاہدین کی ایک زبردست پرجوش جماعت قائم کرکے بازنطینی حکومت کے خلاف ایک آہنی دیوار بنادی۔

آلِ سلجوق، سلاطینِ اسلام کا ایک عظیم الشان خاندان تھا۔ جس کی حکومت ایران و ترکستان میں قائم ہوئی۔ پھر اس خاندان کی تین خودمختار حکومتیں بیک وقت کرمان، عراق اور روم میں قائم ہوئیں مگر عظمت کے لحاظ سے عراق کو سب سے بلند مقام حاصل ہوا۔ یہ سلطنت کرمان سے شام و عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوقیوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد دین سے گہرے شغف کا اظہار کیا اور بڑے پکے مسلمان ثابت ہوئے۔ مصنف "تاریخِ یورپ" اے۔ جے۔ گرانٹ کے الفاظ میں بغداد پر قبضہ کرکے انھوں نے اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی

مورخ گبن لکھتا ہے کہ اسلام کی مادی قوت کے عروج و زوال کے مطالعے سے ایک درخشاں حقیقت نمودار ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جہاں کہیں اسلامی سلطنت کا زوال آیا دہیں اسلام کی مانند پڑتی ہوئی

شان و شوکت کے احیا کی خاطر کوئی نئی نسل لشکر اسلام میں نمودار ہوئی۔ اور تاریخ اسلام میں ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ایسا ہوا۔ جب عباسی خلفا کی قوت قریب قریب معدوم ہو گئی تو سلجوق طغرل، اس کے بھتیجے الپ ارسلان اور بعد ازاں سلطان ملک شاہ کے ادوار حکومت اسلامی عمل داری کے تابناک ترین دور بن کر اُبھرے۔ اور اب وسط ایشیا کی ایک نئی نسل دنیا پر غلبہ پانے کے لیے اور اسلام کی عظمت کے حصول کی جدوجہد میں اپنا خون بہا رہی تھی۔

کرسٹین پرائس کے بیان کے مطابق سلجوقی سلاطین علوم و فنون کے سرپرست اور شاعروں سائنسدانوں مؤرخوں اور جغرافیہ دانوں کے قدر دان تھے۔ انھوں نے اپنی مملکت کی سرحدوں کے اندر امن و امان قائم کیا اور جہاں کہیں سلجوقی حکمران رہے وہاں وہ اپنے ساتھ جان دار فنون بھی لائے۔

جولیس جرمانس کے الفاظ میں آلِ سلجوق کے مدرسے اور محل آج تک ان کے اعلیٰ اور شستہ مذاق اور علم و فن کی سرپرستی کی یاد تازہ کیے ہوئے ہیں۔

الغرض سلاجقہ ایک سیلاب کی طرح آئے اور انھوں نے تمام مغربی ایشیا پر ۴۷۰ھ/ ۱۰۷۷ء سے پہلے ہی زبردست حکومت قائم کر لی۔

سلجوقیوں کا ظہور عباسی خلیفہ قادر باللہ (۳۸۱-۴۲۲ھ) کے زمانے میں ہوا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ (۴۲۲-۴۶۷ھ) کے عہد میں انھوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی اور ۱۱۹۶ء تک سلجوقیوں کا طوطی بولتا رہا۔

سلجوقیوں کے شباب کا زمانہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کا دور تھا۔ سنجر کے عہد میں سلطنت انحطاط پذیر ہونے لگی تھی، مگر اس کے دور میں فارسی شاعری اوج کمال پر پہنچی۔

سلجوقی شعرا کی فہرست نہایت وسیع ہے جس میں چند نام یہ ہیں۔ امیر معزی، ارزقی، لامعی، فخرالدین اسعد، اشبانی خراسانی، عبدالواسع جبلی، انوری، حسن غزنوی، رضی الدین نیشاپوری، ادیب صابری، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، نظامی عروضی، نظامی گنجوی، شمس الدین خراسانی سوزنی، ابوالمعالی وغیرہ۔

سلاجقہ کے اولین دور میں فارسی زبان میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں حدائق السحر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ یہ ۵۹۹ھ کی تالیف ہے۔ کتاب کا اصلی نام "اعلام الملوک الحسنی" ہے

راحت الصدور و آیت السرور" ہے - اس کا مؤلف محمد بن علی بن سلیمان راوندی ہے - راحت الصدور سلجوقیوں کی تاریخ اور فارسی زبان کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے -

سلجوقیوں کے عہد میں نیشاپور کی سیاسی اور علمی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی - اس لیے کہ یہ طغرل بک اور الپ ارسلان کا پایۂ تخت تھا اور یہ سلاطین بڑے علم دوست تھے - ان کے عہد میں بہت سے مدرسے اور کتب خانے قائم ہوئے - ان میں طغرل کے وزیر عبد الملک کندری کا کتب خانہ اس لیے مشہور ہے کہ یہ شخص علم و فضل میں بلند مرتبہ رکھتا تھا - کندری کی طرح اور بھی بہت سے اہل علم بالخصوص مشائخ و صوفی شعرا سلجوقی دور میں پیدا ہوئے اور انھوں نے تصوف و تاریخ پر کتابیں لکھیں - جن میں فرید الدین عطار کا تذکرۃ اولیا اور ابو بکر محمد راوندی کی راحت الصدور اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں -

عہدِ سلجوقی کے صوفیا اور محدثین میں عبد اللہ انصاری (متوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) نہایت ممتاز ہیں - ان کی تصانیف میں منازل السائرین (عربی) اور زاد العارفین (فارسی) بہت مشہور ہیں -

طغرل بک (۴۲۹ تا ۴۵۵ھ - ۱۰۳۷ تا ۱۰۶۳ء)

سلجوق کے پوتے طغرل بک نے سلطان مسعود (محمود غزنوی کے بیٹے) کے مقبوضات میں سے مرو نیشاپور اور ہرات پر قبضہ کیا اور ایران و عراق کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر کے ۴۴۷ھ - ۱۰۵۵ء میں بغداد پہنچا اور خاندان بویہ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے بغداد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا -

طغرل کے کمالات اور اوصافِ جہاں بانی خود اس کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہیں - اس نے اپنی قوتِ بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی - وہ ایک راسخ العقیدہ، دین دار و پاک باز اور متقی فرمانروا تھا - اسے مسجدوں کی تعمیر کا بڑا شوق تھا اور کہا کرتا تھا کہ "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو"

طغرل نے اپنی حکومت کو اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر سلجوقی حکومت کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا - اسی نے خلافتِ بغداد کو دیالمہ کے پنجے سے آزاد کرایا - اس نے اپنے مفتوحہ ملکوں کو اپنے بھائی بھتیجوں میں تقسیم کر دیا - وہ خود لاولد تھا[1]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ چہارم جلد سوم (دار المصنفین)

عضد الدولہ الپ ارسلان (۴۵۵ تا ۴۶۵ھ - ۱۰۶۳ تا ۱۰۷۲ء)

الپ ارسلان طغرل بیک کا بھتیجا تھا۔ یہ سلجوقیوں کا بہت بڑا بادشاہ ہوا۔ اس کے عہدِ حکومت میں دریائے سندھ سے دریائے ڈینوب تک سلجوقیوں کا ڈنکا بجتا رہا اور علمی ترقیاں بھی خوب ہوئیں۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق الپ ارسلان فیاض اور عاقل و فرزانہ تھا۔ ایک عالم اس کے سامنے جھک گیا تھا اور اس کو بالکل بجا طور پر "سلطان العالم" کہا جاتا تھا۔

الپ ارسلان علم و فن کا قدردان اور سرپرست تھا۔ اس نے بغداد میں بہ صرف کثیر ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا[1]۔

اس عہد میں شیخ ابوبکر عتیقی بن محمد الدوی الفارسی نے "تفسیر ابی بکر" تصنیف کی[2]

الپ ارسلان کے لیے ایک کتاب "ملک نامہ" تصنیف ہوئی تھی۔ جس نے کسی گمنام مصنف نے آل سلجوق کی اصل کا تاریخی اعتبار سے سراغ لگائے اور اسے مکرر ترکیب دینے کی کوشش کی تھی[3]

جلال الدولہ ملک شاہ (۴۶۵ تا ۴۸۵ھ - ۱۰۷۲ تا ۱۰۹۲ء)

سلجوقیوں میں ملک شاہ بن الپ ارسلان سب سے زیادہ اقبال مند فرمانروا تھا۔ اس کے عہد میں سلطنتِ سلاجقہ انتہائی عروج پر پہنچی۔

وہ اپنے اوصاف و خصوصیات اور ملک گیری و ملک داری کے باعث نہ صرف سلجوقی سلاطین بلکہ ساری دنیا کے ممتاز ترین حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔

ابن خلکان کے بیان کے مطابق وہ اپنی سیرت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین سلاطین میں تھا۔ اور "سلطان عادل" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

عماد الدین اصفہانی کے قول کے مطابق سلجوقی سلاطین میں اس کا زمانہ ہار کے درمیانی بڑے موتی کی طرح ممتاز و نمایاں تھا۔ ملک شاہ نے سلطنت کی توسیع کے ساتھ علمی و تمدنی حیثیت سے بھی اسے

---

[1] ابن خلکان - ج ۲، ص ۴۶ بحوالہ تاریخ اسلامی دار المصنفین

[2] تاریخ تفسیر

[3] دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ج ۱ ص ۲۱۲

اوج کمال پر پہنچا دیا۔ ملک شاہ خود صاحبِ علم اور اس سے زیادہ اربابِ علم و فن اور اصحابِ دانش و کمال کا قدر دان تھا۔ اس نے سلجوقی حکومت کے جغرافیہ پر خود ایک رسالہ لکھا (کشف الظنون ج ۱) نغمہ و سرود کا بھی ذوق رکھتا تھا[1]

ملک شاہ ایک اچھا ادیب تھا اور خطاطی میں بھی درک رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں علوم و فنون کو بڑی ترقی ہوئی اور اس نے فارسی زبان کو ترقی دینے کے لیے بیش از بیش جدوجہد کی۔ اس زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ نیز شہروں کو کالجوں، شفاخانوں، مسجدوں اور محلوں سے آراستہ کیا۔

ابو روح محمد بن منصور ابن عبداللہ ابن منصور الجمانی (یا الجرجانی) زرّیں دست مشہور قداح اور معالج امراضِ چشم نے ملک شاہ کے عہد میں ایک شاہکار کتاب "نور العیون" ۱۰۸۷ یا ۱۰۸۸ء میں مکمل کی۔ جو زبان فارسی میں لکھی گئی اور صدیوں تک مستعمل رہی[2]

عربی زبان کے شعرا میں طغرائی (م ۵۱۳ھ) کا نام سرِ فہرست ہے۔ اس نے ملک شاہ اور اس کے وزیر نظام الملک کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے۔ اس نے اپنا مشہور قصیدہ "لامیۃ العجم" شنفریٰ کے قصیدہ "لامیۃ العرب" کے جواب میں لکھا تھا[3]

نظام الملک طوسی نے فارسی زبان میں سلطان ملک شاہ کے لیے اپنا شاہکار "سیاست نامہ" تصنیف کیا جو اس موضوع پر نہایت اہم خزینۂ معلومات ہے۔ اس کے پچاس ابواب ہیں[4]

نیشاپور عرصہ دراز تک علم کا مرکز رہا۔ سلجوقیوں کے زمانے میں یہاں ایک بڑی رصدگاہ تھی۔ جہاں عمر خیام جیسے ماہرین کام کرتے تھے[5]

عمر خیام (ابو الفتح عمر بن ابراہیم۔ متوفی ۱۱۲۳ء) جن کی شاعری نے مشرق و مغرب میں شہرت پائی۔ قرونِ وسطیٰ کا بڑا ماہرِ ریاضی و ہیئت الافلاک تھا۔ ملک شاہ نے اس کو ۱۰۷۴ء یا ۱۰۷۵ء میں رسے

---

[1] تاریخ اسلام دار المصنفین

[2] قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات جلد اول ص ۲۳۶

[3] عربی ادب ص ۲۶۳

[4] علمائے سلف

[5] قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات جلد اول ص ۲۲۹

نیشاپور یا اصفہان کی جدید رصدگاہ پر مامور کیا اور ایران کے قدیم کلینڈر (تقویم) کی اصلاح اس کے تفویض کی۔ عمر خیام نے جو تقویم (زیج ملک شاہی یا جلالی) بنام جلال الدین ملک شاہ تجویز کی اس کا اجرا یعنی تاریخ افتتاح ۱۰ رمضان ۴۷۱ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۰۷۹ء ہے۔[1]

دائرۂ معارف اسلامیہ کے مطابق اس زیج کو سلطان موصوف کے لقب "جلال الدولہ" کی بنا پر جلالی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بعض اوقات اس نظام سنوات کو "ملکی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس نظام کا اجرا بروز جمعہ ۹ رمضان المبارک ۴۷۱ھ - ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء سے ہوا۔ جن علمائے فلکیات نے تقویم کے اجرا کی سفارش کی تھی ان میں مشہور ریاضی دان اور شاعر عمر بن ابراہیم الخیامی کا نام بھی شامل ہے۔[2]

امیر معزی اپنے باپ ملک الشعرا برہانی کی جگہ درباری شاعر مقرر ہوا تھا لیکن اسے تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ ملک شاہ نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اس طرح ایک سال گزر گیا اس نے بادشاہ کے مصاحب امیر علی سے بادشاہ کی بے توجہی کی شکایت کی۔ امیر علی نے ہدایت کی کہ وہ اس جگہ جائے جہاں بادشاہ چاند دیکھنے کے لیے آنے والے ہیں۔ امیر معزی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ یہاں ملک شاہ اپنے وزرا اور امرا کے ساتھ موجود تھا۔ چاند سب سے پہلے بادشاہ کو نظر آیا۔ امیر علی نے امیر معزی سے کہا کہ "ابن برہانی! اس موقع پر کوئی شعر کہو۔ اس نے فی البدیہہ شعر عرض کیے:

اے ماہ کمان شہریاری گوئی   یا ابروئے آں طرفہ نگاری گوئی
نعلے زدہ از زر عیاری گوئی   در گوش سپہر گوشواری گوئی

ملک شاہ شعر سن کر بہت خوش ہوا اور شاعر سے کہا "شاہی اصطبل سے جو گھوڑا تمھیں پسند ہو لے لو" جب بادشاہ کھانے پر بیٹھا تو امیر علی نے شاعر سے کہا کہ گھوڑا انعام ملنے پر بھی کچھ فی البدیہہ کہو۔ اس نے کھڑے ہو کر دو شعر سنائے۔ امیر علی نے خوب داد دی۔ بادشاہ بھی بہت محظوظ ہوا اور ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔ اسی وقت امیر علی نے بادشاہ سے شاعر کو تنخواہ نہ ملنے کا بھی ذکر کر دیا اور بادشاہ کے حکم سے تمام واجبات ادا کر دیے گئے۔

---

[1] قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات جلد ۱ صفحہ ۲۲۷

[2] ترجمہ اردو جلد ۷ صفحہ ۳۳۷

نظام الملک طوسی (ابو علی الحسن ابن علی ابن اسحاق۔ متوفی ۴۸۵ھ) صرف وزیر ہی نہ تھا بلکہ سپید و سیاہ کا مالک بھی تھا۔ اسی کے مبارک ہاتھوں نے نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی۔ اس نے چھ لاکھ دینار کی رقم خاص اس فیاضانہ کام کے لیے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی اور تمام عمل داری میں مکتب اور مدرسے قائم کیے تھے۔ نظام الملک نے خاص اپنی جاگیرات سے بھی دسواں حصہ مدرسوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

۴۵۷ھ میں نظامیہ کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۰ ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو بڑی شان و شوکت سے اس کا افتتاح ہوا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رسم افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا۔[1]

نظامیہ بغداد سے متعلق مورخ گبن کا بیان ہے کہ اس مدرسے کے قیام کے لیے دو لاکھ دینار وقف کیے گئے تھے اور پندرہ ہزار دینار سالانہ اس کے مصارف تھے۔ یہاں سے چھ ہزار طلبہ مختلف وقتوں میں فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔

مصارف تعلیم کے سلسلہ میں علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں کہ "علامہ قزوینی" نے "آثار البلاد" میں تصریح کی ہے کہ نظام الملک کے زمانے میں مدارس کا سالانہ خرچ چھ لاکھ دینار تھا۔ اس کے علاوہ اپنی جاگیروں کا دسواں حصہ بھی تعلیم کے مصارف کے لیے وقف کر دیا تھا۔ سلطنت سلجوقی کی اشرفیاں ہماری نظر سے نہیں گزری ہیں۔ کم سے کم پچیس روپے کے برابر ہوتی ہیں۔ اس بنا پر نظام الملک کے خاص عطیہ کو چھوڑ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم شاہی خزانہ سے تعلیمات کے لیے مقرر تھی اور اس زمانہ کے یہ رقم اتنی خطیر تھی جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی

علامہ شبلی کے تخمینے کو آج کل کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ رقم پانچ گنی ہو جائے گی۔

نظام الملک نے علمی کاموں پر اس قدر رقم خرچ کرنی شروع کی کہ خزانہ خالی ہونے لگا۔ ملک شاہ کو تشویش ہوئی اور اس نے نظام الملک کو کہا۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ درسگاہوں کی تعمیر پر تو آپ نے اس قدر روپے صرف کر دیے لیکن قلعہ ایک بھی نہیں بنوایا اور نہ ملک کی فوج کو زیادہ طاقتور بنانے پر کچھ خرچ کیا۔ نظام الملک نے ملک شاہ کی باتیں سنیں اور جواب دیا۔

---

[1] اسلامی مدارس اور دار العلوم۔ علامہ شبلی

"قلعہ ایک عارضی چیز ہوتا ہے اسے تباہ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن میں نے جو قلعے تعمیر کیے ہیں وہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ انھیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ آپ نے فوج کو طاقتور بنانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ فوج کے سپاہیوں کے تیر ایک سو گز سے زیادہ دور نہیں جاسکتے لیکن میں نے جو فوج تیار کی ہے اس کے تیر آسمان تک چھید سکتے ہیں۔ میری علمی سرگرمیاں آپ کے عہد کو دوامی شہرت بخشیں گی[۱]"

نظام الملک کا یہ جواب سن کر ملک شاہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"مرحبا! پیارے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہوں اور تیار کرنی چاہئیں[۲]"

ابو شامہ لکھتے ہیں کہ نظام الملک کے قائم کردہ مدارس تمام ممالک محروسہ میں تھے۔ کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جہاں ایک مدرسہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی جو دور دراز گوشہ میں آباد تھا، ایک بڑا مدرسہ موجود تھا۔

عماد الدین الاصفہانی لکھتے ہیں کہ "نظام الملک کو جہاں کسی شہر میں کوئی عالم مل جاتا وہ وہیں فوراً ایک مدرسہ قائم کر دیتا کہ اس میں درس جاری کر دے۔ پھر اس مدرسہ کے لیے جائداد وقف کی جاتی اور کتابیں مہیا کی جاتیں[۳]"

اسی قسم کے متعدد بیانات مختلف مآخذوں میں ملتے ہیں لیکن السبکی مندرجہ ذیل شہروں کے نام گناتے ہیں۔ جہاں نظام الملک نے کالج قائم کیے تھے اور ان کے لیے معقول جائداد وقف کر دی تھی

بغداد، بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، مرو، آمل اور موصل

السبکی اپنے بیان کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

"کہا جاتا ہے کہ نظام الملک نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا[۴]"

ابنِ خلکان کا بیان ہے کہ نظام الملک کی اس توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں مدارس قائم

---

[۱]ھ ہیرک ہا، سیاست نامہ بحوالہ قصص الاسلام

[۲]ھ بحوالہ اسلامی مدارس اور دارالعلوم

[۳]ھ تاریخ سلجوقی ص۵۷

[۴]ھ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص۱۳۷ بحوالہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص۵۵، ۵۴

کرنے کا عام ذوق پیدا ہوگیا۔ جگہ جگہ مدرسے قائم ہونے لگے اور ملک کا گوشہ گوشہ علم کی شمع سے روشن ہوگیا۔ مدارس کے قیام کے ساتھ ملک بھر میں کثرت سے مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔

نظامیہ کا قیام اسلامی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ روبین لیوی کتاب تاریخ بغداد (کرانیکلس آف بغداد) میں لکھتا ہے۔

"اس دارالعلوم کی کتنی ہی باتیں یورپ کی ابتدائی یونیورسٹیوں میں اختیار کی گئیں۔ ان میں ایک اس کا دارالاقامۃ تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ نظامیہ میں لکچرار ڈائس (چبوترے) پر کھڑا ہونا اور طلبہ نیچے اسٹولوں پر بیٹھتے اور اس سے لکھ کر یا زبانی سوال کرتے[1]"

نظام الملک نے اپنے ہر مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی قائم کر دیا تھا اور ہر جگہ کتابوں کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا تھا۔ اس قسم کے کتب خانوں میں مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا۔ جو کتابیں نظام الملک نے اس مدرسہ کو دی تھیں ان میں ابراہیم الحربی کی تصنیف "غریب الحدیث" کی دس جلدیں تھیں جو ابوعمرو بن جیادیہ کی لکھی ہوئی تھیں اور اس کتاب کا یہ بے نظیر نسخہ تھا۔
(العبر، ابن خلدون۔ ج ۴ ص ۷۹)[2]

حضرت امام غزالیؒ کا بھی اسی عہد سے تعلق ہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں فلسفہ، کلام، اخلاقیات و تصوف پر تصنیف کیں۔ جن میں احیاء علوم الدین کو بڑا امتیاز حاصل ہے۔ گو سلجوقی سلاطین و امرا ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے مگر انھوں نے احیا میں ان کے کردار پر بھی کھل کر نکتہ چینی کی ہے۔

سلطان سنجر۔ (۵۱۱ تا ۵۵۲ھ۔ ۱۱۷۲ تا ۱۲۱۳ء)

ملک شاہ کے جانشینوں میں علم کی سرپرستی کے لیے سنجر کو خصوصیت حاصل ہے۔ اس نے بیس سال تک اپنے بھائیوں کی نیابت کی اور پھر چالیس سال تک مستقل حکومت کی۔ وہ سلجوقی خاندان کی عظمت کا آخری محافظ تھا۔ اس کی حکومت خراسان، غزنہ، خوارزم اور ماوراءالنہر تک پھیلی ہوئی تھی اور "سلطان عظیم" کے لقب سے ملقب تھا۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ اوّل کا صحیح وارث اور جانشین تھا۔ اس

---

[1] بحوالہ گلوریز آف اسلام ص ۷۳

[2] بحوالہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۵۳

کے نام کا خطبہ کاشغر سے لے کر عرب تک پڑھا جاتا تھا۔

اس کے زمانہ میں خراسان مرجع انام اور علم و ہنر کا مرکز بن گیا۔ وہ علما کا احترام کرتا تھا، زہاد اور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا تھا (راحت الصدور)۔ اس کے زمانے میں خراسان کا علاقہ دار العلم بن گیا تھا۔ اور اس کے بڑے بڑے شہر مدارس اور کتب خانوں اور علما اور ارباب کمال سے معمور تھے[1]

سلطان سنجر کی قدر دانی اور فیاضی نے محمودی دربار کا رنگ دوبارہ جما دیا تھا۔ میر معزی کو "ملک الشعرا" کا خطاب ملا اور بڑے بڑے شعرا پایۂ تخت کے شاعر قرار پائے۔

سنجر کے شاعرانہ ذوق اور قدر دانی کی داستانیں اکثر تذکروں میں مذکور ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کی قدر و قیمت اس کے دربار میں کیسی تھی۔

مہستی ایک مشہور شاعرہ تھی جس کی حاضر جوابی اور ظریفانہ فقرے بہت مشہور ہیں۔ سنجر کی شاعرانہ صحبتوں میں وہ بھی شریک ہوا کرتی تھی[2]

سلطان سنجر کے عہد میں ایک تاریخ مرتب ہوئی جس کا نام "مجموع التواریخ" ہے۔ جو چھبیس بابوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب کا کام ۵۲۰ھ میں شروع ہو کر ۵۸۹ھ میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کی ترتیب میں ایسی قدیم تاریخوں سے کام لیا گیا ہے جو اب نادر الوجود ہیں۔ یہ تاریخ چھٹی ہجری کے واقعات عالم کا مرقع ہے لیکن افسوس کہ اس کا آخری باب گم ہے۔ مصنف کا نام کتاب میں درج نہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا نام مہلب ہے[3]

طغرل بن محمد بن ملک شاہ۔ (۵۲۶ تا ۵۲۷ھ – ۱۱۳۲ تا ۱۱۳۳ء)

سلطان سنجر نے اپنے بھتیجے طغرل کو ۵۲۶ھ میں ہمدان میں تخت نشین کر کے ابو القاسم السابادی کو اس کا وزیر بنایا تھا۔

طغرل صالح اور نیک سیرت فرماں روا تھا اور اس کو علم و تعلیم سے دلچسپی تھی۔ اس نے ہمدان

---

[1] تاریخ اسلام دار المصنفین حصہ چہارم

[2] شعر العجم حصہ اول   [3] تذکرہ مؤرخین

میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے ایک بڑی جائداد وقف کی تھی۔[1]

مگر اس خاندان کی عظمت کا ستارہ سنجر کی وفات کے ساتھ ڈوبنے لگا اور گو اس کے بعد بعض کمزور سلاطین برسرِ حکومت آئے مگر انھیں تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ خود طغرل ثانی کا بھی ایسے ہی کمزور حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔

سلطان علاالدین کیقباد۔ (۶۱۶ تا ۶۳۴ھ - ۱۲۱۹ تا ۱۲۳۶ء)

کرسٹین پرائس لکھتا ہے کہ تیرہویں صدی کے اوائل میں ایشیائے کوچک کی سلجوقی سلطنت سلطان علاالدین کیقباد کے عہد میں خاصی مضبوط اور مستحکم ہو گئی تھی۔ خود سلطان نہ صرف کتابوں اور علم کا عاشق تھا بلکہ اچھا مسودہ نویس بھی تھا اور اس کا خط نہایت نفیس تھا۔ وہ نجار بھی تھا اور چھوٹی سخت کمانیں بھی بناتا تھا جنھیں ترک سپاہی انتہائی مہلک نشانہ بازی کے لیے استعمال کرتے تھے۔

سلطان علاالدین سلجوقی کا دارالحکومت قونیہ کا قدیم شہر تھا جو رومیوں کے عہد میں آئکونیم کہلاتا تھا اس نے قونیہ کو مسجدوں، دینی مکتبوں، بازاروں، سرایوں، شفاخانوں اور نفیس مکانات کا شہر بنا دیا تھا جس کے اندر باغات پھیلے ہوئے تھے اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ ہر قسم کے عالموں، شاعروں اور صناعوں کو اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ وہاں ان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اور دارالحکومت کے شہری فخر کے ساتھ کہتے تھے "ساری دنیا دیکھو یا نہ دیکھو مگر قونیہ ضرور دیکھو"[2]

مولانا جلال الدین رومی جیسے فخرِ روزگار صوفی اور شاعر سلطان علاالدین کیقباد کی دعوت پر اس کے پایۂ تخت قونیہ گئے اور وہیں ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا کی تصانیف میں ایک ضخیم مجموعہ غزلیات ہے جو "دیوانِ شمس تبریزؒ" کے نام سے جمع کیا گیا ہے۔ نثر میں ان کے ملفوظات (فیہ مافیہ) شائع ہو چکے ہیں لیکن مولانا کا شاہکار مثنوی معنوی ہے[3]۔

اس عہد میں قونیہ اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھا۔

---

[1] تاریخ اسلام حصہ چہارم

[2] اسلامی فنون کی داستان

[3] اسلامی کتب خانے

کرسٹین پرائس نے موصل کے فلزئی کاموں کے شاہکاروں میں پیتل کے ان مستطیل قلمدانوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو کاتبوں اور دولت مند علما کے استعمال کے لیے ہوتے تھے۔

مصنف نے قلمدان کا نقشہ بھی دیا ہے۔ قلمدان پر تحریر اور علم و فضل کی تعریف میں ایک کوفی نوشتہ ہے اور سامنے کی طرف قطار میں گول تمغے دیے ہوئے ہیں جن میں منطقۃ البروج کے نشان ہیں۔ قلم دان کے اندر چھوٹے چھوٹے ڈھکن دار پیالے روشنائی اور ریت کے لیے جو جاذب کا کام دیتی تھی، رکھے ہوئے ہیں اور ایک لمبی درز قلم رکھنے کے لیے ہے۔

پرائس لکھتا ہے کہ جس وقت یہ قلم دان بنایا گیا تھا ایران اور بین النہرین میں بہت سے قلمی نسخے نقل کیے گئے ہوں گے مگر ان میں بہت کم آج تک باقی بچے ہیں۔ سب سے زیادہ قدیم کتابی تصاویر جن کا علم ہے اندرزنامہ کے اس قلمی نسخے میں دی ہوئی ہیں جو ایران کے شہر گورگان میں ۱۰۸۲ء اور ۱۰۹۰ء کے درمیان لکھا اور مصور کیا گیا تھا۔ مقامی سلجوقی حکمران جنھیں تابک (اتابک) کہتے ہیں غالباً اپنے درباروں میں پیشہ ور خوش نویسوں کو ملازم رکھتے تھے تاکہ ان کے کتب خانوں میں کتابیں مہیا ہوتی رہیں[1]

ارمغانِ شاہ ولی اللہ

مرتبہ: محمد سرور

شاہ ولی اللہ نے اپنی تصانیف میں علومِ تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف کا جائزہ لیا۔ ملت کی سیاسی تاریخ کا بھی تجزیہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں ان سب میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اس کتاب میں شاہ صاحب کے افکار و تعلیمات کو مرتب کیا گیا ہے اور یہ ان کی ضخیم تصانیف کا لب لباب ہے۔

قیمت: ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور